عدل وانصاف کی سماجی اہمیت اور تقاضے
سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ایک تجزیاتی مطالعہ

Social Importance and Requirements of Justice Analytical Study in the Light of the Prophet's (PBUH) Life

Dr. Abbas Ali Raza
Assistant Prof. Faculty of Social Sciences, Department of Islamic Studies
Lahore Garrison University, Lahore
Email: abbasaliraza@lgu.edu.pk

Abida Rehman
Visiting Lecturer, GC Women University, Faisalabad
Email: abidarehman@gcwuf.edu.pk

Muhammad Ihtisham Ahmad Farooqi
Lecturer Sarfraz Naeemi Institute for Islamic Sciences, Lahore
Email: ehtishamahmad911@gmail.com

Abstract
Justice is a social moral value. Like Islam, every religion in the world teaches justice. The meaning of justice is to adopt a moderate point between excess and excess so that balance is maintained in all matters of life. If a person thinks about it, it becomes clear that this system of the entire universe is based on the point of moderation, therefore it is such a balanced system. Justice is very important for a welfare and stable society. In numerous places in the Quran and Sunnah, it has been ordered to adopt justice and fairness. Justice is not only a guarantee of success in this worldly life, but it also ensures success in the hereafter. Today, our society has become devoid of justice, as a result of which anarchy and chaos are spreading and the roots of the society are becoming hollow. It is necessary to ensure the provision of justice in the society so that a peaceful and stable society can be formed.
Keywords: Justice, Social, Moral, Religion, Moderate, Universe, Moderation, Society

دینِ اسلام انسانی فطرت اور تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ خالقِ کائنات نے اس دینِ متین کی تشکیل انسانی جبلتوں اور ضرورتوں کو مد نظر رکھ کر فرمائی ہے۔ حیاتِ انسانی اجتماعی اور انفرادی معاملات سے عبارت ہے۔ سو دینِ اسلام کے احکامات بھی اُسی اعتبار سے انسان کی رہنمائی کے لیے موجود ہیں۔ اجتماعی معاملات کے حل کے لیے بھی اسلام نہایت جامع ومانع احکامات بتلاتا ہے تاکہ ایک خوبصورت اور مثالی معاشرہ تشکیل پاسکے۔ اسلام کا مطلوب ایک ایسا معاشرہ ہے جس کے رہنے والے آپس میں محبت واخوت کے ساتھ رہتے ہوں۔ قربانی وایثار کے جذبے پروان چڑھ رہے ہوں۔ سخاوت واحسان اور دیانت داری جیسے جذبوں سے معمور معاشرہ ہو۔ عدل وانصاف کا بول بالا ہو۔

ان تمام عوامل میں سے جو کہ اسلام کا مطلوب ہیں ان میں سے عدل وانصاف کسی بھی فرد یا قوم اور معاشرہ کو متوازن رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ عدل وانصاف سے کوئی قوم یا معاشرہ بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عدل وانصاف کے بغیر معاشرہ انتشار اور کشت وخون کی طرف چلا جائے گا۔ کیونکہ تنازعات اور اختلافات تو طبیعتِ انسانی کا جزو ہیں۔ تو اگر باہمی تنازعات و اختلافات کا منصفانہ حل نہ ہو تو معاشرہ میں ایسا انتشار و لڑائی جھگڑا پیدا ہو گا جو معاشرے کی تباہی و بربادی کا سبب بن جائے گا۔ ضروری ہے کہ معاشرے میں امن وامان کو برقرار رکھنے اور معاشرہ کے استحکام کے لیے عدل وانصاف کا نفاذ کیا جائے۔ جس وجہ سے معاشرے کا کمزور فریق بھی اطمینان محسوس کر سکے اور ظالم بھی اپنے انجام کے خوف سے اپنی حد سے متجاوز نہ کرے۔ دینِ اسلام نے ہمیشہ معاشرے کی سالمیت، وحدت اور استحکام کے لیے عدل وانصاف پر بہت زور دیا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر نے جابجا قرآن مجید میں جابجا عدل وانصاف سے کام لینے ا ور معاشرے میں اس کے نفاذ پر زور دیا ہے۔ اللہ پاک نے قرآن مجید میں نبی رحمت ﷺ کو فرمایا کہ آپ ﷺ لوگوں سے کہہ دیں کہ اللہ نے مجھے تمھارے درمیان عدل کرنے کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ[1]

"اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف کروں۔"

خالقِ کائنات نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ اے محبوب ان تمام لوگوں سے کہہ دو کہ میں اس کتاب پر ایمان لایا جو اللہ نے اُتاری ہے۔ اور ریاستِ مدینہ کے باسیوں سے کہہ دو کہ مجھے تمھارے درمیان انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی اس جگہ یہودی بھی آباد تھے تو کہنے کا مطلب یہ کہ میں بھی اسی رب تعالیٰ کا ماننے والا ہوں جس کے تم ماننے والے ہو تو اُسی نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ لوگوں کے درمیان انصاف کروں۔ سو عدل وانصاف کو دینِ اسلام میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اور بار بار معاشرے میں اس کے نفاذ کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ عدل وانصاف کا دائرۂ کار نہایت وسیع ہے جو کہ ایک انسان سے لے کر پورے معاشرے پر محیط ہے۔ اللہ پاک نے نہ صرف لوگوں کو عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم فرمایا ہے بلکہ وہ ذاتِ پاک خود بھی اس عظیم صفت سے متصف ہے جیسا کہ ارشادِ رباری تعالیٰ ہے:

وَ اللّٰهُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ ؕ[2] "اللہ تعالیٰ حق (عدل وانصاف) کے ساتھ فیصلے صادر فرماتا ہے۔"

اللہ پاک نے نہ صرف ہمیں انصاف کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ وہ خود بھی سب سے بڑا منصف وعدل فرمانے والا ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں ناانصافی اور ظلم وستم عروج پر ہے۔ روزانہ کی بنیاد پر ملک کے طول وعرض میں سینکڑوں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے۔ ہماری عدالتوں میں لاکھوں کیسز جھوٹے اور فراڈ معاملات پر دائر شدہ ہیں۔ ہمارا نظامِ انصاف اس قدر بوسیدہ اور کمزور ہے کہ کسی ظالم اور بے ایمان کو سزا تک نہیں دے سکتا۔ بلکہ باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو ہمارا نظامِ انصاف معاشرے میں اس ظلم و بربریت کی اصل وجہ ہے۔ کیونکہ یہ کمزور اور بوسیدہ نظام ہی ظالم کو ہلاشیری دیتا ہے کہ وہ کمزوروں پر ظلم کرے۔ کیونکہ ظالم کو معلوم ہے کہ وہ اپنی

طاقت اور پیسے کے بل بوتے پر نظامِ انصاف کو خریدے گا اور باآسانی چھوٹ جائے گا۔ جس کی وجہ سے آج ہمارا معاشرہ اس ابتری اور افراتفری کا شکار ہے اور ہم پوری دنیا میں رسوا ہو رہے ہیں۔ معاشرے کو پھر سے استحکام اور کامیابی کے راستے پر گامزن کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم انصاف کو معاشرے میں فروغ دیں اور قرآن و سنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے آپس میں ایک دوسرے کی حق تلفی سے گریز کریں تاکہ پھر سے ہمارا معاشرہ ترقی کے راستے پر گامزن ہو سکے اور خوشحالی ہمارا نصیب ٹھہرے۔

عدل وانصاف کا معنی ومفہوم

عدل و انصاف عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے برابر کرنا۔ دو چیزوں کے درمیان نقطۂ اعتدال۔ اسی مناسبت کے اعتبار سے حکومتِ وقت کا لوگوں کے درمیان تنازعات واختلافات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کو "عدل" کہتے ہیں۔ لفظ عدل افراط و تفریط کے درمیانی نقطۂ اعتدال کو بھی عدل کہتے ہیں۔ اکثر مفسرین کرام نے لفظ عدل کی تفسیر "ظاہر وباطن کی برابری" سے کی ہے۔ یعنی جو بات یا قول یا کوئی بھی عمل انسان کے اعضاء ظاہری سے صادر ہو تو باطن بھی اس کی تائید وحمایت کر رہا ہو۔ ابن عربی کے نزدیک لفظ کا معنی برابری کے ہیں۔ پھر مختلف جہات کے اعتبار سے اس کا مفہوم بھی مختلف ہو جاتا ہے۔ میر شریف جرجانی اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"العدل: عبارة عن الأمر المتوسط بين طرفي الأفراط و التفريط."[3]

"عدل، زیادتی اور کمی کے درمیان نقطۂ اعتدال کو کہتے ہیں۔"

اسی طرح "لسان العرب" کے مصنف عدل کا معنی لکھتے ہیں:

"العدلة: العدالة مصدر عدل و العدل خلاف الجبور، وهي كلمة لها معان متباينه، منها الإستقامة والانصاف، و المساوة، والحياد، و العدول عن الأم."[4]

"لفظ عدل مصدر ہے اور عدل بے انصافی کا متضاد ہے۔ یہ ایک ایسا لفظ ہے جس کے مختلف معنی ہیں۔ جن میں سے ایک راست بازی، مساوات، غیر جانبداری کا مظاہرہ اور معاملات میں اعتدال کا مظاہرہ۔ یہ عدل کے معنی ومطالب ہیں۔"

اسی طرح علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

"فإن العدل: هو المساوة في المكافاة ان خيرًا فخير و إن شر فشر."[5]

"بے شک عدل تو اجر میں برابری کو کہتے ہیں۔ اگر اچھائی ہے تو اس کا نتیجہ بھی اچھائی ہو گا اگر بُرائی ہے تو نتیجہ بھی بُرا ہو گا۔"

ان تمام تعریفات کو اگر مدنظر رکھا جائے تو عدل وانصاف کا مفہوم یہ ہے کہ افراط و تفریط کے درمیان میں جو نقطۂ اعتدال ہوتا ہے اُسے عدل کہا جاتا ہے اور دو مختلف فیہ باتیں جو دو فریقین کے مابین ہوں ان میں سے صحیح بات کو اختیار کرنا اور اُس کا ساتھ دینا انصاف کہلاتا ہے۔ راست بازی یا مساوات اور غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے

حق بات کو اختیار کرنا اور تمام معاملات میں راہِ اعتدال پر چلنا یہ سب عدل کہلاتا ہے۔ عدل کے معنی بہت وسیع ہیں۔ اپنے رب تعالیٰ کے حقوق ادا کرنا بھی عدل کہلاتا ہے اور بندوں کے حقوق ادا کرنا بھی عدل ہے۔ دو فریقین کے مابین مختلف فیہ مسئلہ کے متعلق حق بات کا اظہار کرنا بھی عدل ہے۔ اسی طرح راست بازی سے کام لینا یہ بھی عدل ہی کی شکل ہے۔

عدل کے مختلف درجات

عدل چونکہ بہت زیادہ وسیع اور متنوع مفہوم کا حاصل ہے اسی طرح اپنے متنوع مفہوم کی وجہ سے مختلف درجات پر اس کا مفہوم بھی بدل جاتا ہے۔ ضروری ہے کہ ہر درجہ کے اعتبار سے اس کے مفہوم کو بیان کر دیا جائے۔

انسانی نفس اور رب تعالیٰ کے درمیان عدل کا مفہوم

جب انسان کے اپنے نفس اور اس کے رب تعالیٰ کے درمیان عدل کی بات ہو گی تو اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو اپنی خواہشاتِ نفس پر ترجیح دینا اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دی ہیں یا جن کاموں سے منع کیا ہے تو اُن تمام ممنوعات اور محرمات سے گریز کیا جائے اور حق چیز کو جسے رب تعالیٰ نے ہمارے لیے صحیح قرار دیا ہے اُسے اختیار کیا جائے اور اُن پر استقامت سے ڈٹ جائے۔ اسے رب تعالیٰ اور انسان نفس کے درمیان عدل سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ عدل کی تعریف لکھتے ہوئے علی جرجانی لکھتے ہیں:

> ’’الإستقامة علي: طريق الحق بالإجتناب عما هو محظور ديناً.‘‘ [6]
>
> ’’استقامت کے ساتھ حق کے راستے پر اُن تمام چیزوں سے اجتناب کرتے ہوئے جن کی دین میں ممانعت ہے۔‘‘

تو یہ بندے کا اپنے اور اپنے رب تعالیٰ کے درمیان عدل کا مفہوم ہے جن باتوں سے حق تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اُن سے مکمل طور پر اجتناب برتا جائے اور جن چیزوں کی ادائی کا حکم ہے انھیں بجالایا جائے۔ یہی عدل ہے اور یہی حق تعالیٰ کی منشاء و مرضی پر چلنے کا طریقہ ہے۔

اپنے ہی نفس کے ساتھ عدل کا مفہوم

انسان کا اپنے ہی نفس اور اپنی ذات سے عدل کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے نفس کو ان تمام چیزوں سے بچائے جو انسانی جان کے لیے مُضر ہوں۔ یا انسان کو جسمانی و روحانی اعتبار سے نقصان پہنچانے والی ہوں۔ اور اپنے آپ کو ایسی خواہشات کی تگ و دو میں نہ مصروفِ کار کرے جو انسان کو بالآخر جہنم تک لے جائیں۔ اسی بات کی طرف اللہ پاک نے قرآن مجید میں اشارہ فرمایا ہے:

> وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ [7]
>
> ’’اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو آپ ﷺ کی بارگاہِ ناز میں حاضر ہو جائیں اور اللہ سے مغفرت طلب کریں اور نبی رحمت ﷺ اُن کی شفاعت کریں۔‘‘

تو اس آیتِ مبارکہ میں بھی انسان کا اپنے ہی نفس یعنی اپنی ہی جان پر ظلم کا ذکر کیا گیا ہے۔ اب اپنی ہی جان پر ظلم سے کیا مراد ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے ذریعے سے خود کو ہلاکت میں ڈال لینا اور مستحقِ جہنم ٹھہرا لینا یا اللہ کے عذاب کا حقدار اپنے آپ کو بنا لینا اپنی جان پر ظلم کرنا ہے تو اپنے نفس کے ساتھ عدل یہ ہے کہ ایسے تمام معاملات سے خود کو دور رکھنا جو اللہ پاک کی ناراضی اور اُس کے عذاب کا سبب بن سکتے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ عدل کا مفہوم

اپنی جان اور لوگوں کے درمیان عدل کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کے ساتھ خیر خواہی کرے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ بھلائی و ہمدردی اور خیر کا معاملہ کرے۔ کسی بھی شخص کے ساتھ خیانت اور بددیانتی کا مرتکب نہ ہو۔ جو چیز اپنے لیے پسند کرے ویسی ہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرے۔ کسی بھی معاملہ میں افراط و تفریط کا شکار نہ ہو۔ اور اپنے نفس سے تمام لوگوں کی خیر خواہی اور انصاف کا تقاضا کرے۔ پھر اسی طرح اگر کسی تنازع کو آپ ﷺ کے پاس لایا جائے تو کسی میلان یا ہچکچاہٹ کے بغیر انصاف کرے اور حق کا ساتھ دے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَاۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِؕ[8]

"بے شک تمھارے رب کا یہ حکم ہے کہ امانتیں اُن لوگوں کے سپرد کرو جو اہل ہوں اور حکومت کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔"

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ معاشرے میں عدل و انصاف کی حکمرانی ہو تاکہ لوگ اطمینان اور تسلی سے رہ سکیں۔ معاشرے کی فلاح و بہبود اور ترقی کا راز عدل و انصاف کے نفاذ میں ہی پوشیدہ ہے۔ اور حکمِ الٰہی بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کیا ہی اچھی نصیحت فرمانے والا ہے۔

عدل و انصاف اور قرآنی تعلیمات

عدل و انصاف ہر معاشرے اور قوم کی ضرورت ہے۔ اسی لیے دنیا کے قدیم مذاہب ہوں یا دساتیر ہوں ہر ایک میں عدل و انصاف کی بابت معلومات ملتی ہیں۔ عصرِ جدید کے تمام مروجہ دساتیر ہوں یا ملکوں کے آئین ہوں ہر ایک میں عدل و انصاف کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ دیگر مذاہب کی طرح دینِ اسلام اپنے پیروکاروں سے معاشرے میں عدل و انصاف کے نفاذ کا تقاضا کرتا ہے۔ اور نہ صرف تقاضا کرتا ہے بلکہ ہمیں عدل و انصاف کے متعلقہ تمام اُصول و ضوابط بھی فراہم کرتا ہے تاکہ کوئی گوشہ زندگی رہنمائی سے محروم نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کی پوری کائنات ہی نظامِ عدل پر قائم ہے۔ یعنی توازن اور اعتدال پر قائم ہے۔ ہر ایک چیز اپنی حدود میں اور ایک نظام کے تحت چل رہی ہے۔ گویا کائنات کے توازن اور اعتدال میں ہمارے لیے بہت بڑا سبق پوشیدہ ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا معاشرہ بھی قائم و دائم رہے اور ہم بھی قائم و دائم رہیں تو ضروری ہے کہ عدل و انصاف کو لازم پکڑ لیں۔ انصاف

اورعدل سے کام لیں تا کہ ہمیں اور ہمارے معاشرے کو بھی بقااور دوام حاصل ہو۔ معاشرہ ترقی اور استحکام کے راستے پر گامزن ہو جائے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ ہمارے رب تعالیٰ کا ہم سے تقاضا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ[9]

”اے اہلِ ایمان! عدل کے داعی بن جاؤ۔ اور اللہ کی خاطر گواہی دو۔ یہ اگر تمھارے، تمھارے والدین، یا پھر قریبی عزیز و اقارب کے خلاف کیوں نہ ہو۔ پس اگر کوئی صاحبِ ثروت ہے یا تنگ دست۔ اللہ ان سب کی بہترین خیر خواہی فرمانے والا ہے۔ اور تم ہوائے نفس کی اتباع کرتے ہوئے عدل کا دامن نہ چھوڑو، اگر تم لوگوں نے شہادت کے معاملے میں غلط بیانی سے کام لیا یا گواہی دینے میں کوتاہی کی تو جان لو اللہ تمھارے تمام افعال سے بخوبی آگاہ ہے۔“

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ پاک نے اہلِ ایمان سے خطاب فرمایا ہے۔ اہلِ ایمان سے خطاب فرمائے اللہ پاک نے ارشاد فرمایا کہ اے اہلِ ایمان انصاف کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ یعنی انصاف کے داعی و رفیق بن کر انصاف اور عدل کے فروغ کے لیے کمربستہ ہو جاؤ۔ اور جب تمھاری گواہی کی ضرورت پڑے تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے گواہی دو۔ کیونکہ گواہی دینا کوئی معمولی عمل نہیں ہے۔ بلکہ یہ جان جوکھوں کا کام ہے۔ بسا اوقات طاقتور شخص مختلف حیلے بہانوں سے گواہوں کو ڈراتے اور دھمکاتے ہیں اور گواہوں کی جان تک لے لیتے ہیں۔ سو ظالم کے خلاف گواہی دینا گویا ظالم کے خلاف سینہ تان کے میدان میں نکل آنا ہے۔ یا پھر کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ جس کے خلاف گواہی ہو وہ کوئی آپ کا قریبی عزیز یا رشتہ دار بھی ہو سکتا ہے۔ تو اپنوں ہی کے خلاف گواہی دینا بھی بہت مشکل ہے کہ اپنی ہی گواہی سے اپنوں کو سزا دلوانا بھی بڑا اہمت والا کام ہے۔ اس لیے اللہ پاک نے گواہی کے بارے میں ایسا انداز اختیار فرمایا کہ اس کی اہمیت کو اہلِ ایمان پر واضح کر دیا جائے کہ گواہی کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں نہایت حساس اور اہمیت والا ہے۔ اس کو معمولی نہ سمجھا جائے بلکہ گواہی اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہے۔ اگرچہ وہ آپ کے قریبی عزیزوں یا آپ کے والدین کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ حالانکہ قرآن مجید میں اللہ پاک نے اپنی بندگی کے فوراً بعد جس عمل کا حکم فرمایا ہے وہ ہے والدین کی فرماں برداری و اطاعت شعاری۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ[10]

”اور تمھارے رب العالمین کا یہ حکم ہے کہ عبادت صرف اسی (اللہ) کی ہی کی جائے۔ اور ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کیا جائے۔“

اسی طرح قرآن مجید کے دیگر مقامات کے علاوہ احادیثِ طیبہ میں بھی والدین کی عظمت و شان کے بارے میں بے تحاشا احکامات موجود ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے گواہی کے معاملہ میں اس مسئلہ کی حساسیت کے پیشِ نظر نہایت واضح انداز میں بیان فرما دیا کہ گواہی کے معاملہ میں قطعاً کسی تعلق یا رشتے کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ جب آپ کی

گواہی کی ضرورت پڑے تو اللہ کی ذات کے لیے حق بات کو بیان کر دیا جائے۔ اور نہ ہی اس بات کی پرواکی جائے کہ کوئی امیر ہے یا غریب۔ بلکہ بلا تفریق حق بات کے لیے گواہی دی جائے۔

اور جو غریب ہیں یا امیر ہیں اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان کی خیر خواہی کس بات میں ہے۔ اس لیے یہ معاملہ اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے۔ اور یہ معاملہ خود اس نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔ اللہ پاک نے اس آیتِ مبارکہ میں عدل و انصاف کے معاملے میں طبعِ انسانی کے حوالے سے جو بھی رکاوٹیں آسکتی تھیں ان سب کا احاطہ اس آیتِ مبارکہ میں فرمادیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے اہلِ ایمان اپنی ہوائے نفس یا خواہشاتِ نفس کی خاطر حق بات کو نہ چھوڑو۔ عدل و انصاف کا دامن فقط ذاتی خواہش کی بنا پر نہ چھوڑو۔ بلکہ اللہ کی رضا کی خاطر عدل و انصاف کا دامن تھامے رکھو۔ اللہ کی خوشنودی کی خاطر عدل وانصاف کے داعی اور نقیب بنے رہو۔ اور لوگوں کے درمیان عدل وانصاف سے کام لو۔ آخر میں اللہ پاک نے تنبیہی انداز اختیار فرمایا ہے اس معاملے کی حساسیت کے پیشِ نظر کہ اے لوگو! اگر تم نے غلط بیانی یا کج بیانی یعنی آدھا سچ اور آدھا جھوٹ یا سارا ہی جھوٹ بولا یا گواہی سے پہلو تہی کی کہ چلو میں گواہی دیتا ہی نہیں ہوں تو جان لو کہ رب تعالیٰ تمھارے اعمال کو جاننے والا ہے۔ تمھارے دل کی کیفیت اور اُس میں چھپی نیتوں سے بھی وہ واقفِ حال ہے۔ لہٰذا عدل و انصاف سے کام لو۔ دنیاوی مال و دولت کی ہوس اور اولاد کے مستقبل کا خوف تمھارے عدل وانصاف کی فراہمی میں رکاوٹ نہ بن جائے۔ سوائے اہل ایمان اللہ اور اس کے رسول کی منشاء و مرضی کو مقدم جانو اور حق کے ساتھ کھڑے رہو۔ کیونکہ انصاف اور عدل بنیادی طور پر ایک جامع نظام ہے۔ عدل و انصاف معاشرے میں امن و امان کے قیام کا ضامن ہے۔ معاشرے کی فلاح و بہبود اور امن و آشتی دراصل عدل وانصاف سے ہی مشروط ہے۔ اس لیے قرآن و سنت میں صریح الفاظ میں عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے اور اس بابت نہایت شدت کے ساتھ ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے عدل و انصاف کا تقاضا کیا گیا ہے۔ سورہ المائدہ میں اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے کہ:

> يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى[11]
>
> "اے اہل ایمان! اللہ کی ذات کے لیے بھرپور انداز میں انصاف کے قیام کے لیے ڈٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔ اور گواہی دینے میں انصاف سے کام لو۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف سے ہٹ جاؤ۔ ہر حال میں عدل وانصاف کو لازم پکڑو کہ یہی چیز تقویٰ کے قریب ہے اور اپنے رب سے ڈرتے رہو۔ بے شک تمھارا رب تمھارے افعال و اعمال سے باخبر ہے۔"

اس آیتِ مبارکہ کے پہلے حصے میں اللہ پاک نے انصاف کا بول بالا اور انصاف کے قیام کے لیے ڈٹ کر کھڑے ہو جانے کا حکم دیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ زمانے کی سختیاں یا ہوسِ مال و زر تمھارے قدموں کو ڈگمگا دے۔ اور تم لڑکھڑا جاؤ۔ بلکہ مضبوطی اور سختی کے ساتھ انصاف کے لیے اُٹھ کھڑ ہو جاؤ۔ اور ثابت قدمی سے عدل وانصاف کے ساتھ کھڑے رہو۔ حق بات کہو اور انصاف کے ساتھ گواہی دو۔ اس آیتِ مبارکہ میں اللہ پاک نے ایک اور وجہ

کی نشاندہی کی ہے جو انسان کو ناانصافی پر آمادہ کرسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کو کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ کرسکتی ہے کہ انسان جذبات میں آکر اس دشمنی کے سبب عدل و انصاف کے تقاضوں کو مدنظر نہ رکھے اور حق بات سے انحراف کرلے۔ تو اللہ پاک نے اس بات کو بھی واضح انداز میں ذکر کردیا ہے کہ دیکھنا کسی قوم کی دشمنی میں اس قدر آگے نہ بڑھ جاؤ کہ وہ دشمنی تمھیں عدل و انصاف نہ کرنے دے۔ اللہ پاک نے فرمایا باوجود اس کے کہ وہ قوم تمھاری دشمن ہے مگر پھر بھی تم انصاف کرو۔ حق بات پر فیصلہ کرو۔ یہی بات تقویٰ یعنی پرہیزگاری کے قریب ہے۔ اور یہ عمل اللہ کے ہاں پسندیدہ ترین ہے۔ مزید فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ یعنی جب بھی ایسا معاملہ پیش آئے تو بجائے یہ کہ تم اپنے نفس کی بات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرو اللہ کا خوف تمھارے دل میں موجزن ہونا چاہیے اور تمھیں اس معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ بے شک اللہ ہر اس عمل کو جانتا ہے جو تم کرتے ہو یعنی ایسا نہیں ہے کہ کوئی بات اللہ سے پوشیدہ ہو۔ بلکہ ہر چیز اس پر عیاں ہے لہٰذا تمھاری وہ خفیہ تدابیر جو تم کرتے ہو کہ کسی نہ کسی طرح حق بات سے پہلو تہی بھی ہو جائے اور معاملہ بھی نپٹ جائے تو خوب جان رکھو اللہ تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔ عدل و انصاف کسی بھی معاشرے کو مستحکم رکھتا ہے۔ اس میں امن و امان کو یقینی بناتا ہے اور سب کو آگے بڑھنے کے یکساں مواقع فراہم کرتا ہے۔ اس سارے عمل کے نتیجے میں معاشرہ ترقی کرتا ہے۔ معاشرے میں استحکام آتا ہے اور یوں نسلِ انسانی ایک مستحکم اور فلاحی معاشرے میں پروان چڑھتی ہے۔ اسی طرح ایک اور آیتِ مبارکہ میں رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَ اسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ[12]

”اے نبی رحمت ﷺ آپ ﷺ اس بات کی دعوت دیں جس کا حکم آپ ﷺ کو دیا گیا ہے۔ اور مضبوطی کے ساتھ کھڑے رہیے اور ان لوگوں کی خواہشاتِ نفس کی پرواہ نہ کیجیے۔ اور کہہ دیجیے کہ اللہ نے جو کتاب ہدایت نازل فرمائی میں اس پر ایمان لایا۔ اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف کروں۔ اور ہمارا رب تو اللہ ہے۔“

اس آیتِ مبارکہ کے معانی و مفاہیم پر غور و فکر کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ پاک نبی کریم ﷺ کو بطور حکمران یہ سب ہدایات دے رہا ہے کہ ایک حکمران کو کیسا ہونا چاہیے۔ بالفاظِ دیگر حکمران طبقہ کو ہی مخاطب کیا جا رہا ہے کہ کس انداز میں حکمرانی کے فرائض سرانجام دیں۔ اس آیت کے مطابق حاکم کے لیے ضروری ہے کہ وہ دین کا داعی ہو۔ یعنی دین کی دعوت بھی پیش کرنے والا ہو۔ اور جو اللہ اور اُس کے رسولِ پاک ﷺ کی شریعتِ مطہرہ پر عمل کرنے والا ہو۔ یعنی حدود اللہ کے نفاذ یا دیگر کسی بھی اسلامی حکم کے نفاذ میں ہچکچائے نہ ہی قدم ڈگمگائیں بلکہ کسی کی مخالفت کو خاطر میں نہ لائے اور حق بات پر ڈٹ جائے۔ کتابِ ہدایت یعنی قرآنِ مجید کی تعلیمات پر خود بھی عمل پیرا ہو اور اُس کے نفاذ کو بھی یقینی بنائے اور اپنے رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق عدل کو قائم کرے۔ عدل کے نفاذ میں کسی قسم کی کوتاہی کا مرتکب نہ ہو۔ بلکہ ہر ممکن اقدامات اُٹھائے جائیں جو آسان اور فوری انصاف کی فراہمی کو یقینی بنانے

والے ہوں۔ اسلامی قیادت کو یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ سب سے پہلے استقامت یعنی ثابت قدم رہیں۔ دوسرا یہ کہ نہ تو اپنی خواہشِ نفس کے مطابق کام کریں اور نہ ہی کسی کی خواہش کو مد نظر رکھیں۔ بلکہ فقط رضائے الٰہی کو پیشِ نظر رکھیں۔ اور تیسری بات یہ کہ عدل و انصاف کو قائم کرے۔ عدل کے نفاذ میں کسی قسم کی کوتاہی کا مرتکب نہ ہو۔ بلکہ ہر ممکن اقدامات اُٹھائے جائیں جو آسان اور فوری انصاف کی فراہمی کو یقینی بنانے والے ہوں۔ اسلامی قیادت کو یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ سب سے پہلے استقامت یعنی ثابت قدم رہیں۔ دوسرا یہ کہ نہ تو اپنی خواہشِ نفس کے مطابق کام کریں اور نہ ہی کسی کی خواہش کو مد نظر رکھیں۔ بلکہ فقط رضائے الٰہی کو پیشِ نظر رکھیں۔ اور تیسری بات یہ کہ عدل و انصاف کو قائم کرے۔ اور اللہ کے حکم کے مطابق حق پر فیصلہ کرے۔ جانبداری یا کسی کی دشمنی کی وجہ سے انصاف اور حق بات سے انحراف نہ کرے۔ پھر جو لوگ انصاف کرنے والے ہیں اور عدل کے دامن کو تھامے رکھتے ہین اور وہ لوگ جو عدل سے کام نہیں لیتے اُن لوگوں کے متعلق بیان فرمایا کہ وہ برابر نہین ہوسکتے اور اس بات کو تمثیلی انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ١ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ١ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ١ۙ وَ مَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ١ۙ وَ هُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۠۷۶ . .[13]

"اور اللہ پاک ایک مثال کو تمھارے لیے بیان فرماتا ہے کہ دو آدمی ہیں ان میں سے ایک گونگا ہے اور غلام ہے۔ اور وہ اپنے مالک کے بغیر کسی معاملے میں کوئی اختیار نہیں رکھتا پس مالک جدھر بھیج دے چلا جاتا ہے۔ اور کبھی کوئی بھلائی و خیر نہیں لاتا کیا ایسا شخص اس آدمی کی طرح ہوسکتا ہے یا اس کے برابر ہوسکتا ہے جو عوام الناس میں عدل و انصاف کو قائم کرتا ہے اور خود بھی سیدھے راستے پر چلنے والا ہے۔"

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ پاک نے مثال کے ساتھ بات کو سمجھایا ہے۔ اور کیا ہی خوب صورت انداز اختیار فرمایا ہے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے کہ دو شخص ہین اُن میں سے ایک شخص غلام ہے اور گونگا ہے۔ یعنی اس کی اپنی کوئی سوچ نہیں بلکہ وہ خواہشاتِ نفس کا غلام ہے یا کسی اور طاقت ور کا غلام ہے اور فرمایا کہ وہ گونگا بھی ہے۔ یعنی نہ اس کی سوچ اپنی اور نہ ہی کوئی بات اپنی وہ فقط ایک غلام ہی کی طرح کا کردار ادا کررہا ہے اور طاقت ور کے سامنے اپنی حق بات کہنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور جو اپنی جان بچانے کی خاطر عدل و انصاف قائم نہیں کرتا۔ بلکہ ابن الوقت کی طرح ہر صحیح یا غلط دونوں صورتوں میں اربابِ اختیار کی ہاں میں ہاں ملانے کو تیار پھرتا ہے اور دوسری طرف ایسا شخص جو عدل و انصاف کو قائم کرنے والا ہو۔ ہر طرح کے جبر اور خوف سے آزاد ہو کر انصاف فراہم کرنے والا ہو اور جابر و ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی جرأت رکھتا ہو اور پھر بذاتِ خود بھی سیدھے راستے پر چلنے والا ہو۔ قرآن و سنت کی تعلیمات کو حرزِ جاں بنائے پھرتا ہو تو کیا وہ شخص جو غلام اور گونگا ہے اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنا جانتا ہو اور خود بھی راہِ ہدایت کا مسافر ہو تو یقیناً وہ غلام اور گونگے شخص کے جیسا اس حق اور انصاف کرنے والے شخص کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اور یہی میرے رب العالمین کا فیصلہ ہے۔ اور پھر اللہ پاک نے

اس شخص کے طرزِ عمل کو بیان فرما کر قرآن مجید کی ایک اور سورہ میں اپنے اندازِ عدل کو بھی بیان فرمایا ہے کہ میں رب العالمین بروزِ قیامت کیا کروں گا۔ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا١ؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا١ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ۰۰۴۷ [14]

"اور بروزِ قیامت ہ میزانِ عدل کو قائم فرمائیں گے۔ پس اس روز کسی پر ایک ذرے کے برابر بھی ظلم نہ ہو گا۔ اور کسی کا رائی برابر بھی عمل ہو گا وہ بھی اس دن پیش کیا جائے گا۔ اور ہم ہی محاسبہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔"

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ پاک نے روزِ حشر کی منظر کشی فرمائی ہے کہ روزِ قیامت میزانِ عدل کو قائم کیا جائے گا اور مخلوق کے درمیان انصاف کیا جائے گا۔ اور اس دن ذرا برابر نیکی ہو یا بُرائی اُسے انسان کے سامنے پیش بھی کیا جائے گا۔ اور اس کی جزا و سزا بھی دی جائے گی۔ بنیادی طور پر اس آیتِ مبارکہ میں مظلوموں کے لیے تسلی و تشفی کا سامان موجود ہے اور کہ وہ خاطر جمع رکھیں اگر انھیں اس دنیا میں انصاف نہیں دیا گیا تو وہ پریشان نہ ہوں کہ اگر دنیا کے منصفین یا ججوں سے انصاف نہیں ملا تو اب انھیں کسی سے انصاف نہیں ملے گا بلکہ انھیں یومِ آخرت میں خود رب العالمین انصاف فراہم کرے گا۔ اسی طرح دوسری طرف ظالموں اور بے انصاف منصفین کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ ظلم سے اجتناب کرو اور انصاف سے کام لو کہ ایک دن آخر کار تمھیں میری بارگاہ میں پیش کیا جائے گا اور پھر میں انصاف کروں گا اور تمھیں اپنی بد اعمالیوں کا جوابدہ ہونا پڑے گا اور اس کی تمھیں سزا دی جائے گی۔ رب تعالیٰ نے ساتھ ہی ساتھ اپنی قوت و طاقت کا اظہار بھی فرما دیا کہ اس دن کا مالک میں اکیلا ہی ہوں۔ اور میں اکیلا ہی اس دن انصاف کرنے کے لیے کافی ہوں گا۔ اور ہر شخص کو اس کے اعمال کی جزا و سزا دی جائے گی۔ اور میں رب العالمین اکیلا ہی اُس دن کا مالک ہوں گا۔ سو انصاف اور عدل کو اپنی زندگی کا جزو بنایا جائے تاکہ اس دنیا میں بھی کامیابی کا حصول ممکن ہو اور روزِ حشر بھی رب تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخروئی ممکن ہو سکے۔

عدل و انصاف اور سیرتِ مصطفیٰ ﷺ

نبی رحمت ﷺ کی حیاتِ طیبہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری انسانیت کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہے۔ آپ ﷺ نہ صرف مسلمانوں کے لیے ہادی و رہبر بن کر آئے ہیں بلکہ آپ ﷺ کا فیضِ عام تو ہر انسان کے لیے اور ہر دور اور ہر خطۂ زمین کے باشندوں کے لیے ہے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک گوشہ انسانیت کے لیے باعثِ ہدایت اور خیر و بھلائی ہے۔ اس کائناتِ ارضی پر امنوس کون کی اجارہ داری کے لیے ضروری ہے کہ نبی رحمت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ سے استفادہ کرتے ہوئے عدل و انصاف کے متعلق رہنمائی حاصل کی جائے۔ نبی رحمت ﷺ کی پوری زندگی عدل و انصاف پر مبنی ہے معمولی سے معمولی معاملے میں بھی آپ ﷺ نے عدل و انصاف کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ اسی لیے نبی رحمت ﷺ سے استفادہ کیے بغیر عدل و انصاف کے مفہوم اور تقاضوں کو سمجھا نہیں جا سکتا۔ آپ ﷺ کس

طرح سے عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے تھے اس بات کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت نے چوری کر لی۔ اب لوگوں کا خیال تھا کہ کوئی معمولی سی سزا دے کر معاملہ رفع دفع فرما دیا جائے۔ لیکن نبی رحمت ﷺ نے اس موقع پر عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے حد جاری فرمائی۔ حدیثِ مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں:

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ المرْأَةِ المخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ، فَقَالُوا: وَمَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالُوا: وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، حِبُّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ، ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ، أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الحَدَّ، وَايْمُ اللَّهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا.))[15]

"اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کر لی۔ اب لوگ فکر مند ہوئے کہ اس کا تو اب ہاتھ کاٹا جائے گا۔ لہٰذا اب وہ تدبیر سوچنے لگے کہ کیسے اس کا ہاتھ کٹنے سے بچا جائے۔ یعنی اس پر حد جاری نہ ہو۔ اور وہ کہنے لگے اس سلسلہ میں نبی رحمت ﷺ سے بات کون کرے گا۔ تو سب کی نظر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پر ٹھہری کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اس سلسلہ میں نبی رحمت ﷺ سے سفارش کریں۔ کیونکہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے بہت زیادہ قریب اور چہیتے تھے۔ اس لیے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کس کو جرأت ہو سکتی تھی کہ وہ آپ ﷺ سے اس سلسلہ میں گفتگو کرتے۔ چنانچہ جب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے اس سلسلہ میں جب بات تو نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے اسامہ رضی اللہ عنہ کیا تم حدود اللہ کے نفاذ کے معاملہ میں مجھ سے سفارش کرتے ہو؟ اس بات پر نبی کریم ﷺ نے ناراضی کا اظہار فرمایا اور لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تم سے پہلے والے لوگ بھی اسی لیے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز اور بڑے حسب و نسب والا جرم کرتا تو اس کو چھوڑ دیا جاتا یا معمولی سزا میں تبدیل کر دیا جاتا اور احکامِ الٰہی کو بدل دیا جاتا۔ لیکن جب وہی جرم کسی کمزور سے سرزد ہو جاتا تو اس پر حد جاری کی جاتی اور اُسے کسی قسم کی رعایت حاصل نہ ہوتی تھی۔ پھر نبی کریم ﷺ نے اللہ کی قسم اُٹھا کر فرمایا کہ اے لوگو! اگر اس عورت کی بجائے فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو اس کو بھی یہی سزا ملتی اور میری وجہ سے اُسے کوئی رعایت اور نرمی حاصل نہ ہوتی۔"

یہ حدیثِ مبارکہ بنیادی طور پر سابقہ اُمتوں کی وجہ ہلاکت کو بیان کر رہی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس اُمت کے لیے سامانِ عبرت بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سابقہ اقوام کی ہلاکت اور تباہی و بربادی کی بنیادی وجہ اُن کے سفارشی کلچر اور قوم کے اعلیٰ حسب و نسب کے حامل افراد کے لیے قانون میں تبدیلی یعنی امیروں کے لیے اور قانون اور غریبوں کے لیے دوسرا قانون۔ اسی طرح بے انصافی اور رشوت کے زور پر قانون میں تبدیلی کر کے مجرموں کو

سہولت دینا یعنی یہ سب عوامل سابقہ اُمتوں کی ہلاکت کا سبب بنے۔ سو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! اللہ کی حدود کے نفاذ میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہ ہوگی۔ اگر میری پیاری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ بھی چوری میں ملوث ہوتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جاتا۔ یہ اعلان فرما کر آپ ﷺ نے سفارش کے کلچر کو یکلخت مسترد کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا حدود اللہ کے نفاذ میں امیر و غریب سب برابر ہیں۔ کسی کو فقط اس لیے نرمی نہیں دی جائے گی کہ وہ طبقہ اُمراء سے تعلق رکھتا ہے بلکہ سب کے لیے بلا تفریق ایک سا قانون اور انصاف کے ترازو سب کے لیے برابر ہیں۔ لہٰذا تم بھی سابقہ اُمتوں کی روش پر چلتے ہوئے کہیں اس گرداب میں نہ پھنس جانا کہ اپنے اُمراء اور حکمرانوں کو تو قانون میں نرمی کے ذریعہ سے فائدہ پہنچاتے رہو اور غرباء کو قانون کے مطابق جو سزا بنتی ہے وہ دیتے رہو۔ یاد رکھو تمہارا یہ عمل تمھاری ہلاکت کا سبب بن جائے گا۔ اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ نے اُن لوگوں کی فضیلت اور عظمت کو بھی بیان فرمایا ہے جو لوگوں کے درمیان انصاف اور عدل سے کام لیں گے۔ جیسا کہ حدیثِ مبارکہ میں ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ: وَأَبُو بَكْرٍ: يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَفِي حَدِيثِ زُهَيْرٍ: قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ، عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ، وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ، الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا.))[16]

”حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انصاف کرنے والے یعنی جو لوگ انصاف سے کام لینے والے ہیں وہ اپنے رب تعالیٰ کے ہاں دائیں طرف نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ اور وہ لوگ اپنے اہل خانہ اور اپنی رعایت یعنی جو لوگ ان کی نگہداشت میں ہیں یا جن پر وہ حاکم ہیں ان سب کے معاملات میں وہ اپنے حکم کے ذریعے سے انصاف قائم کرنے والے ہیں۔“

اس حدیثِ مبارکہ میں اہلِ انصاف کی شان اور اللہ کے ہاں جو اُن کو انعام دیا جائے گا۔ اس کا تذکرہ ہے کہ جو لوگ انصاف پسند ہیں، چاہے وہ اپنے گھر کے نگہبان ہوں یا رعایا پر حاکم ہر دو صورتوں میں انصاف اور عدل کو حرزِ جان بنائے رکھتے ہیں اور اپنے حکم کے ذریعے سے عدل و انصاف کو نافذ کرتے ہیں۔ ایسے لوگ عند اللہ اجر و ثواب اور بہت بڑے انعام کے مستحق ہوں گے۔ قیامت کے میدان میں جب نہ تو کوئی سایہ ہوگا سوائے عرش کے سائے کے اور نہ ہی کوئی کسی کا پُرسانِ حال ہوگا اس روز اللہ رب العزت اہلِ انصاف اور عادل حکمرانوں کو نور کے منبروں پر بٹھائے گا اور انھیں عظیم اجر و ثواب سے نوازا جائے گا۔ اسی طرح ایک اور حدیثِ پاک میں نبی کریم ﷺ نے عدل و انصاف کی ضرورت و اہمیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ قوم قابلِ عزت نہیں ہو سکتی جس میں انصاف کا بول بالا نہ ہو۔ حدیثِ مصطفیٰ ﷺ کے الفاظ یہ ہیں:

((لَا تُقَدَّسُ أُمَّةٌ لَا يُقْضَى فِيهَا بِالْحَقِّ وَيَأْخُذُ الضَّعِيفُ حَقَّهُ مِنَ الْقَوِيِّ غَيْرَ مُتَعْتَعٍ))[17]

”وہ قوم قابلِ عزت نہیں ہو سکتی جس میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو مد نظر رکھ کر فیصلے کیے جائیں اور کمزور طاقتور سے اپنا حق بغیر کسی ہچکچاہٹ کے وصول نہ کرے۔“

اس حدیثِ مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے کسی قوم کی ترقی وخوشحالی اور استحکام کے متعلق ایک ایسا روشن اُصول بیان فرمایا ہے کہ جو قوم اس اُصول کو اپنالے گی اور اس پر عمل پیرا ہو جائے گی وہ ترقی بھی حاصل کرے گی اور خوشحال بھی ہو جائے گی۔ جب کہ اس کے برعکس جو قوم اس اُصول سے انحراف کرے گی وہ اقوامِ عالم میں رسوا ہو جائے گی۔ ترقی وخوشحالی کے سب دروازے اس پر بند ہو جاتے ہیں اور وہ بدحالی کی عمیق گہرائیوں میں گر جاتی ہے اور وہ اُصول یہ ہے کہ جو قوم اپنے فیصلے مبنی بر انصاف نہیں کرتی وہ کبھی عزت نہیں پاسکتی۔ اور جس قوم میں کمزور لوگ بلا جھجک اس قوم کے طاقت وروں سے اپنا حق وصول نہ کرسکتے ہوں تو وہ قوم تباہی وبربادی کے راستے پر گامزن ہو جاتی ہے اور بدنصیبی کے سائے مزید گہرے ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس جو قوم انصاف اور عدل سے کام لیتی ہے اور اُس قوم کے کمزور افراد کو طاقت وروں سے اپنے حق کے حصول میں کوئی رکاوٹ مانع نہیں ہوتی تو وہ قوم ترقی اور خوشحالی کے راستے پر گامزن ہو جاتی ہے، خوش بختی اس کا مقدر ٹھہرتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اقوامِ عالم میں سب سے زیادہ نمایاں، ترقی یافتہ اور مستحکم قوم بن جاتی ہے۔ اس لیے انصاف کے تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے قانون سازی کی جائے اور قانون پر عمل درآمد کروایا جائے تاکہ لاقانونیت کی حوصلہ شکنی ہو سکے۔ اسی طرح نہ صرف معاشرتی واجتماعی زندگی میں انصاف کرنے پر زور دیا گیا ہے بلکہ انسان کو خانگی وانفرادی زندگی میں بھی انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ گھر والوں اور اہل خانہ کے درمیان میں بھی انصاف اپنے بچوں کے درمیان بھی انصاف کو لازمی قرار دیا گیا ہے جیسا کہ اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے درمیان عدل کرو۔ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اس بات کی مظہر ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی تمام بیویوں کے درمیان عدل فرمایا۔ سب کے ساتھ یکساں سلوک فرماتے تھے اور سب کے ہاں باری باری شب بسری کا اہتمام فرماتے تھے۔ اس حوالے سے اللہ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی تعلیمات بالکل واضح ہیں۔ اگر کوئی شخص ایک سے زائد بیویوں کے درمیان عدل نہ کرسکے تو پھر وہ ایک پر ہی اکتفا کرے۔ اسی طرح اولاد کے درمیان بھی عدل ضروری ہے۔ چاہے وہ بیٹا ہو یا بیٹی دونوں میں برابری کرے۔ اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دے۔ بخاری شریف میں ہے کہ نبی رحمت ﷺ کی بارگاہ میں ایک صحابی آئے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ ایک بیوی سے میرا ایک لڑکا ہے جب کہ باقی دوسری بیویوں سے ہیں۔ میری بیوی تقاضا کر رہی ہے کہ میں اپنی جائیداد اور مال ودولت میں سے کچھ حصہ اس کو دوں۔ میں بھی اس پر راضی ہوں تو یارسول اللہ ﷺ آپ کو میں اس معاملہ پر گواہ بنانا چاہتا ہوں۔ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا کہ کیا اتنا ہی حصہ باقی اولاد کو بھی دے رہے ہو یا نہیں؟ تو اس نے عرض کیا کہ نہیں یہ صرف میں اپنے اس بیٹے کو دے رہا ہوں۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھے ظلم پر گواہ مت بناؤ کہ یہ صریحاً ظلم ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسے سب کے ساتھ یکساں سلوک کرنے کا حکم دیا۔ نبی آپ ﷺ نے اسے سب کے ساتھ یکساں سلوک کرنے کا حکم دیا۔ نبی رحمت ﷺ کی تعلیمات اور احادیثِ مبارکہ سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ ہم انصاف اور عدل کو اختیار کریں۔ اپنے گھر والوں کے لیے، اولاد، عزیز واقارب، معاشرہ یعنی جس کا جو حق ہے اسے دیا جائے اسی کا نام عدل ہے۔ اگر کہیں کسی کی حق تلفی یا اسے ضرر پہنچایا تو یہ ظلم شمار ہوگا۔

ظلم کے اثرات ونتائج

ظلم عدل کی ضد ہے جہاں پر ظلم ہو گا وہاں پر عدل نہیں ہو گا۔ ظلم سے مراد یہ ہے کہ کسی کی حق تلفی کرنا یا اُسے جسمانی ومالی نقصان پہنچانا یا کسی بھی ذریعہ سے کسی دوسرے انسان کو ضرر پہنچانا ظلم کہلاتا ہے۔اور ظلم کرنے والے کو ظالم کہتے ہیں۔اسی طرح کسی کی بے کسی سے فائدہ اُٹھانا، احسان کرنے کے بعد اُسے جتلانا، کسی کی عزت اُچھالنا وغیرہ سب ظلم کے زمرہ میں آتا ہے۔ ظلم انتہائی گھناؤنا اور گناہِ کبیرہ ہے۔ قرآنِ مجید اور سنت رسول ﷺ میں بے شمار جگہ پر ظلم کی مذمت کو بیان کرکے اس کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔اور لوگوں کو اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ظلم کی سخت سزا اللہ کے ہاں مقرر کی گئی ہے اور سخت وعیدیں بھی آئی ہیں۔جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَ لَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۵۴ . . [18]

"اور جو بھی ایک دوسرے پر ظلم کرے گا اگر اُسے زمین کے تمام خزانوں کا مالک بنا دیا جائے۔ تو جب اُسے ظلم کا عذاب دیکھا جائے گا تو وہ اس عذاب سے بچنے کے لیے سارے خزانوں کو اس گناہ کے بدلے فدیہ کے طور پر ادا کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ مگر اس دن انصاف کیا جائے گا ان سب کے درمیان اور کسی پر بھی ہرگز ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

اس آیتِ کریمہ میں اللہ پاک نے تنبیہی انداز اختیار فرمایا ہے اور ظلم جیسے عظیم گناہِ کبیرہ کی سنگینی کو بیان فرمایا ہے جو اس دنیا میں ظلم کرتے ہیں اور دوسروں کے حقوق غصب کر لیتے ہیں۔ ناجائز طور پر دوسروں کے مال پر قبضہ جماتے ہیں تو قیامت کے دن ان کا یہ عالم ہو گا کہ وہ اُس دن ظلم جیسے قبیح گناہ کی سزا کے طور پر ملنے والے عذاب سے جان چھڑانے کے لیے اگر اُسے زمین کے تمام خزانوں کا مالک بنا دیا جائے تو سارے کے سارے خزانوں کو بطور فدیہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرکے کہے کہ مالک یہ تمام خزانے میں تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں تُو بس فقط مجھے معاف فرمادے۔یعنی آج دُنیا میں جس حقیر اور معمولی سے مال کی خاطر ظلم کر رہا ہے اور دوسروں کو تکلیف دے رہا ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہ تھوڑے سے مال و دولت کی تو بات ہی نہ کرو۔ اس ظلم کے گناہ پر جو عذاب ملنے والا ہے اس کے مقابلے میں اگر ظالم کے قبضہ اختیار میں زمین کے تمام خزانے بھی ہوں تو یہ ان سب خزانوں کو بطور فدیہ پیش کر دے گا اس عذاب سے بچنے کے لیے جو ظالمین کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ لہٰذا ظلم سے اجتناب کیا جائے اور ہمیشہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو مدنظر رکھا جائے۔ کیونکہ ظلم کی وجہ سے معاشرہ تباہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس انتشار اور افراتفری کی وجہ سے ترقی کا سفر رُک جاتا ہے قومیں تباہ حال ہو جاتی ہیں۔ اللہ اور اس کے رسولِ مکرم ﷺ کی ناراضی کا سبب بھی بنتا ہے۔ سو ظلم سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ دین و دُنیا کی بھلائی اور خیر و برکت ہمارا مقدر ٹھہرے۔ اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ نہ صرف خود ظلم سے باز رہنا ہے بلکہ ظالم کو ظلم سے روکنا بھی ایک بندۂ مومن کی ذمہ داری ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مظلوم اور ظالم دونوں کی مدد کرو جیسا کہ حدیثِ مبارکہ کے الفاظ ہیں:

((عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَنْصُرُهُ إِذَا كَانَ مَظْلُومًا، أَفَرَأَيْتَ إِذَا كَانَ ظَالِمًا كَيْفَ أَنْصُرُهُ؟ قَالَ: تَحْجُزُهُ، أَوْ تَمْنَعُهُ، مِنَ الظُّلْمِ فَإِنَّ ذَلِكَ نَصْرُهُ.))[19]

"حضرت بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ جب وہ مظلوم ہو گا تب تو میں اس کی مدد کروں گا لیکن یہ بتائیے کہ جب وہ ظالم ہو گا تب میں اس کی کیسے مدد کروں گا۔ اس پر نبی رحمت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اُسے منع کرو گے ظلم کرنے سے یا اس کو ظلم کرنے سے روک دو گے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے تم نے اس کی مدد کی۔ یعنی اُسے ظلم کرنے سے بچا کر اس کے دین اور دُنیا دونوں کو بچالیا۔"

بہر حال ظلم سے بچنا اور عدل وانصاف کا دامن تھام کر چلنا ایک بندۂ مومن ہی کی شان ہے۔

سماج میں عدل وانصاف کے فروغ کی چند تدابیر

عدل وانصاف جو کسی بھی معاشرے کی بقا کے لیے لازم وملزوم ہے جس کے بغیر معاشرے کی ترقی وفلاح کا تصور ناممکن ہے۔ آج ہمارے معاشرے سے ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ ضروری ہے کہ پھر سے معاشرے میں عدل و انصاف کے فروغ کے لیے کام کیا جائے۔ جس کی چند ایک درج ذیل صورتیں ہیں:

۱- عدل وانصاف کے بارے میں قرآن وسنت کی تعلیمات سے آگاہی۔

۲- بچپن سے ہی بچوں کو عدل وانصاف کی تربیت دینا۔

۳- راست باز اور حق گو نیز اہلِ علم اشخاص کو منصبِ قضا پر فائز کرنا۔

۴- انصاف کے حصول کی فراہمی کو تیز ترین اور قرآن وسنت کے احکامات کے مطابق فیصلے کیے جائیں۔

۵- قرآن وسنت سے متصادم قوانین کو ختم کیا جائے جو ظالم کو مضبوط اور مظلوم کو کمزور کرتے ہیں۔

۶- حدود اللہ کے نفاذ کو یقینی بنایا جائے تاکہ لوگ سیدھے راستے پر قائم رہیں۔

۷- معاشرے کے اُمراء اور غرباء کے ساتھ قانون کا ایک سا سلوک ہونا چاہیے تاکہ ناانصافی پنپنے نہ پائے۔ کیونکہ سابقہ اُمتوں کی ہلاکت کا سبب بھی یہی تھا کہ وہ اپنے معاشرے کے امیروں کو تو معاف یا معمولی سزا تجویز کر کے اُسے بچالیتے تھے۔ جب کہ دوسری طرف کوئی غریب ہوتا تو اُسے سخت سے سخت سزا دی جاتی تھی۔

۸- عدل وانصاف کے موضوع کو تعلیمی نصاب کا حصہ بنایا جائے تاکہ بچپن سے ہی بچوں اور نوجوانوں کی گھٹی میں پڑ جائے۔

خلاصۂ بحث

عدل وانصاف ایک سماجی اخلاقی قدر ہے۔ دینِ اسلام کی طرح دُنیا کا ہر مذہب ہی عدل وانصاف کی تعلیم دیتا ہے۔ عدل وانصاف کا مفہوم یہ ہے کہ افراط اور تفریط کے درمیان نقطۂ اعتدال کو اختیار کیا جائے تاکہ زندگی کے

تمام معاملات میں توازن بر قرار رہے۔ اگر انسان غور و فکر کرے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ پوری کائنات کا نظام نقطۂ اعتدال پر قائم ہے اس لیے یہ اتنا متوازن نظام ہے۔ ایک فلاحی اور مستحکم معاشرے کے لیے عدل و انصاف از حد ضروری ہے۔ قرآن و سنت میں بے شمار مقامات پر عدل و انصاف کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ عدل و انصاف نہ صرف دُنیاوی زندگی میں کامیابی کی ضمانت ہے بلکہ اُخروی زندگی میں بھی کامیابی کے حصول کو یقینی بناتا ہے۔ آج ہمارا معاشرہ عدل و انصاف سے خالی ہو چکا ہے جس کے نتیجے میں انارکی اور انتشار پھیل رہا ہے اور معاشرے کی جڑیں کھوکھلی ہو رہی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے میں عدل و انصاف کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے تاکہ ایک پُر سکون اور مستحکم معاشرہ تشکیل پا سکے۔

حوالہ جات

1 القرآن، الشوریٰ ۴۲:۱۵۔

2 القرآن، الشوریٰ ۴۰:۲۰۔

3 علي بن محمد الشريف الجرجاني، معجم التعريفات، (القاهره: دارالفضيلة، س ن)، ص: ١٢٤.

4 ابن منظور، محمد بن مكرم الأفريقي، لسان العرب (بيروت: دار صادر، س ن)، ج: ١١، ص: ٤٣٠.

5 الزبيدي، محمد بن محمد ابوالفيض، تاج العروس من جواهر القاموس، (بيروت: دار الهدايه، س ن)، ج: ٢٩، ص: ٤٤٤.

6 علي بن محمد الجرجاني، التعريفات، (بيروت: دار الكتاب العربي، ١٤٠٥هـ)، ص: ١٩١.

7 القرآن، النساء ۴:۶۴۔

8 القرآن، النساء ۴:۵۸۔

9 القرآن، النساء ۴:۱۳۹۔

10 القرآن، بنی اسرائیل ۱۷:۲۳۔

11 القرآن، المائدہ ۵:۸۔

12 القرآن، الشوریٰ ۴۲:۱۵۔

13 القرآن، النمل ۱۶:۷۶۔

14 القرآن، الانبیاء ۲۱:۴۷۔

15 محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري، صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الغار، رقم الحديث: ٣٤٧٥.

16 مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري، صحيح المسلم، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل، وعقوبة الجائر، والحث علي الرفق...، رقم الحديث: ١٨٢٧.

17 سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم الطبراني، المعجم الكبير، باب الميم، رقم الحديث: ٩٠٣-

18 القرآن، یونس ۱۰:۵۴۔

19 محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري، صحيح البخاري، كتاب الإكراه، باب، رقم الحديث: ٦٩٥٢.